دسمبر سحر ہے جاناں

مونا شاہ قریشی

دسمبر کی سرد کہر زدہ رات میں ٹہلتی وہ بے حس بنی بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے وجود سے لپٹ کر اسے کپکپانے پر مجبور کر رہے تھے مگر وہ ڈھیٹ بنی مٹی کی مورت اپنی جگہ پر قابض تھی۔ آہستہ آہستہ طویل ہوتی رات سردی کی شدت میں اضافہ کر رہی تھی۔ شاہ میر نے پردے کھسکا کر ذرا سا باہر جھانکا تو سیاہ شال میں لپٹا وجود اسے چونکا گیا۔ وہ بھاگ کر لان میں آیا تو یخ بستہ ہوا کے تازہ جھونکوں نے اس کا بھرپور استقبال کیا۔

اس نے خائف سی نگاہ اس بے نیاز وجود پر ڈالی اور اس کا بازو تھام کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ لب بھینچے وہ سردی روکنے کی ناکام کوشش میں مستغرق یک دم اس افتاد پر بوکھلا گئی۔ اس کے ڈھیلے پڑتے وجود نے شاہ میر کے لیے آسانی پیدا کر دی' ایک جھٹکے سے اس کے نازک بازو پر گرفت مضبوط کی اور کھینچتا ہوا اس کے کمرے میں لے آیا۔

"آپ کو پرابلم کیا ہے؟ آدھی رات کو بھٹکی ہوئی روح کی طرح لان میں پائی جاتی ہیں اور اس پر مستزاد ٹھنڈ بھی نہیں لگتی آپ کو۔ کمال ہے کس مٹی کی بنی ہیں آپ' کچھ اثر ہی نہیں کرتا آپ پر۔" اس کا بازو چھوڑتے وہ خفگی سے بولا۔

"پرابلم مجھے نہیں بلکہ تمہیں ہے' جینے کیوں نہیں دیتے مجھے سکون سے۔ میں کیا کرتی ہوں اور کیا نہیں' مجھے سردی لگتی ہے یا گرمی' یہ تمہارا دردسر نہیں۔ میری جاسوسی مت کیا کرو۔" وہ چیخ پڑی۔

"میرا ہی تو دردسر ہے ڈیئر وائف آفٹر آل شوہر ہوں آپ کا۔" وہ ریلیکس انداز میں بولا تو شاہ تاج کو پتنگے لگ گئے۔

"یہ بار بار مجھے جتایا نہ کرو کہ تم میرے شوہر ہو' بلاوجہ کا حق نہ جتایا کرو میں نہیں سمجھتی تمہیں اپنا شوہر۔"

"آپ کے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جو رشتہ آپ کا اور میرا ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا اور نہ ہی اس سے انکار کر سکتا ہے اس لیے آپ کا انکار بلا جواز ہے۔" وہ سنجیدگی سے اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ سردی کی وجہ سے اس کی ناک اور گال سرخ ہو رہے تھے' اس سرخ و سفید حسن سے نگاہ چراتے اس نے پلٹ کر ہیٹر آن کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا' شاہ تاج محض سر جھٹک کر رہ گئی۔

❁ ❁ ❁

پوری حویلی میں جشن کا سا سماں تھا' ملازمین میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ میوے' مٹھائی کے تھال سجائے جا رہے تھے وہ حیرانی سے چادر درست کرتی پجارو سے باہر نکلی۔

"ماں صدقے جائے' میری دھی رانی آئی ہے۔" اسے گاڑی سے اترتا دیکھ کر وہ لپک کر اس کے پاس آئیں۔

"السلام علیکم! بڑی امی۔"

"وعلیکم السلام! جیتی رہو۔" محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے وہ بولیں اور ملازمین کو سامان رکھنے کا کہہ کر اسے لیے اندر آ گئیں۔ چھوٹی امی اور پھوپو سے سلام اور پیار لینے کے بعد وہ وہیں بیٹھ گئی۔

"کتنے دنوں کے لیے آئی ہو تاج بیٹا؟" امی نے پوچھا۔

"بس کچھ روز کے لیے آئی ہوں سمسٹر ختم ہونے والا ہے' ایگزامز قریب ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا...... اچھا' ماشاء اللہ...... اللہ کامیاب کرے' آمین۔"

"بابا سائیں کہاں ہیں بڑی امی؟" وہ اپنی ماں کو شروع سے ہی بڑی امی اور چچی کو چھوٹی امی کہا کرتی تھی۔

"وہ مردان خانے میں ہیں' مہمان آ جا رہے ہیں وہیں مصروف ہیں۔ تم آرام کر لو کچھ دیر' پھر مل لینا اور شاہ میر کو مبارک باد بھی دے دینا۔" وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کپڑے نکال کر فریش ہونے کے بعد وہ سامان الماری میں سیٹ کر رہی تھی کہ دروازہ ناک ہوا۔

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

''آ جاؤ۔'' مصروف سے انداز میں اس نے کہا۔

''السلام علیکم!'' اندر داخل ہوتے ہی شاہ میر نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہو شاہ میر؟'' مسکرا کر جواب دیتے اس نے ہینگر الماری میں رکھا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''بہت بہت مبارک ہو' بہت اچھے نمبر لیے ہیں تم نے' دل خوش کردیا۔'' بدلے میں وہ مسکرایا۔

''آپ نے چیلنج جو دیا تھا پھر کیسے ممکن تھا میں اسے پورا نہ کرتا۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''یہ تو ہے ہمارا ریکارڈ توڑ دیا تم نے تین نمبر زیادہ لے کر۔'' وہ ہنسی۔

''آپ یونیورسٹی سے کب فارغ ہورہی ہیں؟''

''یہی تقریباً ایک سال بعد' سمسٹر اسٹارٹ ہیں نیکسٹ منتھ سے۔'' وہ بولی۔

''تو اس کا مطلب پھر تو آپ رکیں گی نہیں۔'' وہ مایوسی سے بولا۔

''نہیں' کیوں کوئی کام تھا کیا؟''

''نہیں کچھ خاص نہیں۔ اچھا میں چلتا ہوں اب۔'' وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

''ایک منٹ رکو۔'' وہ الماری میں سے کچھ گفٹ اٹھا لائی۔ ''یہ تمہارے لیے میں نے گفٹ لیے تھے۔''

''او...... تھینک یو سو مچ۔ کیا ہے اس میں؟'' اس نے اشتیاق سے کہا۔

''کچھ بکس ہیں اور تمہارا فیورٹ پرفیوم بھی ہے۔''

''تھینکس اگین۔''

''مینشن ناٹ' بس اب اس ریکارڈ کو برقرار رکھنا ہے تم نے۔ آٹھویں کا بورڈ اتنا ٹف نہیں مگر نائنتھ کلاس مشکل ضرور ہے اس سے بھی ڈبل محنت کرنی ہے تم نے اور 90 پلس مارکس لینے ہیں۔'' وہ اسے ہدایت دے رہی تھی۔

''اوکے ان شاء اللہ اب میں جاؤں۔'' اس نے اجازت چاہی تو شاہ تاج نے سر ہلادیا۔

وہ ایم فل کی اسٹوڈنٹ تھی' اپنی پڑھائی کی وجہ سے سالوں سے ہاسٹل میں قیام پذیر تھی۔ حویلی میں ہونے والی تقاریب اور تہوار وغیرہ میں بہت کم وقت کے لیے شرکت کرتی تھی۔ اب بھی بڑی امی نے کال کرکے اسے شاہ میر کے رزلٹ کا بتایا تھا' تو وہ بمشکل تین چھٹیاں لے کر آئی تھی۔ شام کو سو کر اٹھی تو ایک نئی اطلاع اس کی منتظر تھی۔

''اٹھ گئی ہو تاج؟'' بڑی امی نے کمرے میں آ کر پوچھا۔

''جی۔'' وہ بالوں کو جوڑے کی شکل میں سمیٹ رہی تھی۔

''وہ دراصل تمہیں بابا سائیں بلا رہے ہیں۔'' وہ ہچکچا کر بولیں۔

''بڑی امی سب ٹھیک تو ہے ناں' پریشان کیوں ہیں؟'' وہ ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''تمہارے بابا سائیں چاہتے ہیں کہ تمہاری واپس جانے سے پہلے تمہارا نکاح کردیں۔'' انہوں نے اٹک اٹک کر بتایا۔ شاہ تاج ورطۂ حیرت میں ڈوب گئی۔

''نکاح...... لیکن کس کے ساتھ؟'' وہ گومگو کیفیت میں بولی۔

''شاہ...... شاہ میر کے ساتھ۔'' اس کی سماعتوں پر بم پھٹا' اسے لگا تھا اس کے وجود کی دھجیاں بکھر گئی ہوں۔ کافی دیر تک وہ بولنے کی قوت سے محروم ہی رہی تھی۔

''یہ کیسے ممکن ہے' نہیں...... ایسا نہیں ہوسکتا' ہرگز نہیں......'' اس کا سر نفی میں ہل رہا تھا۔

''وہ بچہ ہے چھوٹا سا' بھائی سمجھا میں نے اسے ہمیشہ۔ میں اپنی زندگی اس غلط فیصلے کی نذر نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ قطعیت سے بولی۔

''جہاں رسم و رواج کی بات آجائے وہاں بڑا' چھوٹا نہیں دیکھا جاتا دھی رانی۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں اور شاہ تاج مارے صدمے کے ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''رسم کیسی......؟'' اس کے لبوں سے سرسراہٹ نکلی۔

''شاہ میر بچپن سے تم سے منسوب ہے چونکہ خاندان بھر میں تمہارا کوئی جوڑ نہیں اس لیے تم شاہ میر کے حصے میں آئی ہو اور ویسے بھی شاہ لالہ کی خواہش تھی کہ تم ان کی بہو بنو۔ جب شاہ میر پیدا ہوا تو انہوں نے تب ہی تمہیں تمہارے بابا سائیں سے مانگ لیا تھا۔'' وہ دیور کا حوالہ دیتے ہوئے بولیں تو اس کی ٹھہری آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو بہنے لگے۔

''بڑی امی مجھ سے یہ نہیں ہوگا' میں مرجاؤں گی۔'' وہ سسک پڑی۔

''میری دھی...... ماں واری جائے تمہارے بابا سائیں زبان دے چکے ہیں اور اب وہ اس سے پھر نہیں سکتے۔'' انہوں نے اس کا صبیح چہرہ ہاتھوں میں تھاما تو وہ اور بھی شدت سے رودی۔

''اٹھو اب چلو تمہارے بابا سائیں انتظار کررہے ہوں گے۔'' ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے دوپٹہ سر پر درست کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

سرخ آنکھیں لیے وہ ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

''شاہ میر کا ایڈمیشن شہر کے اعلیٰ اسکول میں کروانا ہے اس کے لیے اسے ہاسٹل میں رہنا ہوگا جو کہ ہمیں منظور نہیں۔ روز روز وہ آ' جا نہیں سکتا اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارا نکاح کردیا جائے اس سے۔ گھر کا انتظام میں نے کردیا ہے شہر میں' تم اس کی پڑھائی کا اور اس کا زیادہ دھیان رکھو گی۔ جو کام کل کرنا ہے وہ آج ہی کرلیتے ہیں' تمہیں اس کی رہنمائی کرنی ہے۔ تم خود پڑھی لکھی ہو' سارے مسئلے سمجھتی ہو۔'' وہ اسے تفصیل بتا رہے تھے اور اس کا دماغ سُن ہورہا تھا یعنی اسے بیوی کی صورت میں اس کی چاکری کرنی تھی' سرپرستی اسے سونپی جارہی تھی وہ تلخی سے سوچنے لگی۔

''مگر مجھے اس رشتہ پر اعتراض ہے بابا سائیں' وہ مجھ

سے گیارہ سال چھوٹا ہے اور بھائی ہے میرا۔‘‘ اس کے انکار پران کی پیشانی عرق آلود ہوئی۔

’’بھائی کیسے ہے‘ تمہارا ماں جایا تو نہیں وہ۔ پھر کیسے بھائی ہوسکتا ہے اور رہی بات چھوٹا ہونے کی تو ہمارے مذہب میں اس بات کی کوئی قید نہیں کہ لڑکا بڑا ہو یا چھوٹا۔‘‘

’’اگر اسلام کی بات کی جائے تو بابا سائیں اسلام اس بات کی اجازت کب دیتا ہے کہ خاندان‘ برادری میں ہی رشتے کیے جائیں۔ ذات پات کی بھی کوئی قید نہیں ہے کہ اگر ہم سید ہیں تو اس علیٰ حسب ونسب کی بناء پر خاندان میں ہی رشتہ کرسکتے ہیں اور اسلام میں تو یہ بھی ہے کہ لڑکی کی مرضی معلوم کی جائے پھر ان باتوں کو پست پشت کیوں ڈالا جارہا ہے۔‘‘ وہ ٹھوس دلائل کے ساتھ بولی تو ان کا ازلی جلال عود کرآیا۔

’’تمہیں پڑھایا‘ لکھایا ہے تمہاری منشاء پر مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمہاری ہر بات کو مانا بھی جائے۔ جو فیصلہ میں کرچکا ہوں اس سے انحراف میں برداشت نہیں کروں گا۔‘‘ سخت لہجے میں کہتے وہ رخ پھیر گئے‘ آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹکائے وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ انہوں نے پلٹ کر اکلوتی بیٹی کے نم چہرے کو دیکھا اور آہستگی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آئے۔

’’بیٹا ہم سید ہیں اور خاندان سے باہر شادی کرنا ہماری روایات میں شامل نہیں۔ ہماری آنے والی نسلوں کا سوال ہے یہ‘ ہم مجبور ہیں اور اپنے بھائی سے کیا گیا وعدہ مجھے ہر حال میں نبھانا بھی ہے۔‘‘ ان کا ہاتھ شاہ تاج کے سر پر آٹھہرا تھا۔

’’یہ کہاں کا انصاف ہے بابا...... اپنی روایات اور وعدے کی پاسداری میں آپ اپنی بیٹی کی زندگی خراب کردیں۔‘‘ وہ تڑپ کر بولی۔

’’شاہ تاج......‘‘ کمرے میں داخل ہوتے ہی بڑی امی نے اسے پکارا۔

’’اسے لے جاؤ یہاں سے اور شام چار بجے تیار کردینا‘ نکاح ہے اس کا۔‘‘ وہ پیچھے ہوتے ہوئے بولے۔ زرینہ شاہ نے اس کے کندھوں پر ہاتھ کا زور ڈالا اور باہر لے آئی بے جان قدموں اور گیلی آنکھوں سے وہ اپنا بوجھ گھسیٹنے لگی۔

معین شاہ اور مبین شاہ دو ہی بھائی تھے‘ حدیقہ شاہ ان کی اکلوتی بہن تھی جو کہ اپنے چچا زاد کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ معین شاہ کو اپنے چھوٹے بھائی مبین شاہ سے بے حد محبت تھی وہ عمر میں ان سے کئی سال بڑے تھے۔ والدین کی وفات کے بعد حویلی اور جائیداد کے سیاہ وسفید مالک بھی وہی تھے۔ بھائیوں والا پیار اور باپ کی سی شفقت انہوں نے مبین شاہ کو دی تھی‘ معین شاہ کے دو ہی بچے تھے۔ ثقلین شاہ اور شاہ تاج جبکہ مبین شاہ کا ایک ہی بیٹا۔ شاہ میر جسے معین شاہ بے حد چاہتا تھا۔ وہ آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا‘ امتحان میں کامیابی کے بعد وہ اسے اب بہترین تعلیم کے لیے شہر بھیجنا چاہتے تھے‘ بچپن سے طے شدہ نسبت کے مطابق انہوں نے اب فیصلہ کرلیا تھا کہ ان دونوں کا نکاح کردیا جائے تاکہ انہیں شہر جاکر کوئی مسئلہ پیش نہ آئے کیونکہ جب رہنا ساتھ ہے تو شرعی رشتے کے ساتھ کیوں نہ رہیں۔

’’اٹھ جاؤ تاج...... کپڑے بدل لو‘ مولوی صاحب آنے والے ہیں۔‘‘ وہ اندھیرا کیے کمرے میں لیٹی تھی‘ بھابی نے لائٹ آن کرکے اسے جگایا سونا تو کیا تھا وہ تو سوگ منارہی تھی اس روگ کا جو شاہ میر کے ساتھ نکاح کی صورت میں اسے لگا تھا۔ سوجی آنکھیں اور متورم چہرہ لیے وہ اٹھ بیٹھی۔

’’کیا فائدہ ہے بھابی‘ ایسی ازدواجی زندگی کا۔ گھٹ گھٹ کر احساس کمتری اور محرومی میں جیا جائے‘ میرے دل میں شدت سے خواہش سر ابھار رہی ہے۔ کاش میں ایک سید زادی نہ ہوتی‘ ایک عام سی لڑکی ہوتی۔‘‘ وہ سخت کبیدہ خاطر تھی اپنے حسب ونسب سے۔

’’تم دعا کرنا اللہ سے کہ وہ تمہاری زندگی کو قید بامشقت میں نہ بنائے۔ تم اپنی اگلی زندگی میں خوش و مطمئن رہو۔‘‘ وہ تسلی دے رہی تھیں‘ شاہ تاج کے لبوں پر

طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''بالکل...... ویسی ہی زندگی جیسی آپ جی رہی ہیں۔ کیا فرق ہے آپ میں اور مجھ میں۔ آپ کو بھی سید زادی ہونے کے جرم میں ثقلین بھائی کے ساتھ نتھی کر دیا گیا اور مجھے بھی اب کیا جا رہا ہے۔ ایک عمر رسیدہ بیوی کی کیا حیثیت ہوتی ہے' اس کا عملی مظاہرہ تو میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپ دو سال سے ان کا گریز' بے توجہی اور بے رخی جھیل رہی ہیں' ان کے التفات کو ترستی ہیں تو میرے ساتھ بھی یہی ہوگا اب۔'' اس کی بات پر روزینہ کا چہرہ بجھ گیا مگر پھر بھی وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولیں۔

''سب کا مزاج اور فطرت ایک سی نہیں ہوتی' دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جہاں بیوی عمر میں بڑی ہوتی ہے تو کیا وہ سارے جوڑے غیر مطمئن رہتے ہیں اور اگر بیوی عمر میں چھوٹی بھی ہو تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے۔ خوشی' محبت اور طمانیت عمروں سے مشروط نہیں ہوتی' یہ قسمت سے ملتی ہے۔ نصیب میں جو درج ہو وہ مل کے رہتا ہے' میری قسمت میں جو اللہ نے لکھا میں نے اسے فراخدلی سے تسلیم کر لیا تھا۔ یہ روایات ہم بدل نہیں سکتے اور نہ ہی بغاوت کر سکتے ہیں ان سے' اللہ نے چاہا تو تمہیں محبتوں سے لبریز زندگی ملے گی۔ میرا دل کہتا ہے شاہ میر کو تم سے محبت ہو جائے گی اس کا مزاج مختلف ہے۔ مثبت سوچتے ہیں ہمیشہ' اتنا دل پر مت لو اس عمر کے تضاد کو' بس دعا کرو۔'' وہ اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

مگر وہ اب بھی بے یقین اور بدگمان تھی' تنفر سے سر جھٹکتے اس نے دوپٹہ اٹھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اچانک ہی اچھل پڑی۔

''بھابی...... شاہ میر سے پوچھا ہے کیا بابا سائیں نے۔''

''ظاہر ہے' اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کیسے ہو سکتا ہے۔''

''بس وہ ہی اس قابل ہے' میرا احتجاج تو کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔'' وہ تلخ ہوئی۔ ''شرم تو نہیں آئی اسے ابھی عمر کیا ہے اس کی جو شادی کا چاؤ چڑھا ہے۔'' وہ تپی تو بھابی نے مسکراہٹ چھپائی۔

''وہ بہت سعادت مند اور نیک بچہ ہے' کبھی اس نے بابا سائیں کی بات نہیں ٹالی۔'' بھابی کے بیان پر اس کا پارہ ہائی ہوا۔

''ایک میں ہی بری ہوں' ہونہہ......'' بڑبڑاتی ہوئی وہ واش روم کا دروازہ کھٹاک سے بند کر گئی۔

وہ بے حد خفا تھی بابا سائیں سے' بڑی امی نے بہت سمجھایا مگر وہ ہنوز منہ پھلائے رہی۔ شہر واپسی پر بھی وہ روٹھی روٹھی ان سے ملی۔ گاڑی میں اس کے ساتھ شاہ میر بھی سوار تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی' غیر محسوس طریقے سے وہ اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ ابھی صرف چودہ سال کا تھا وہ' اس کے دائیں طرف بیٹھا بچہ اس کا شوہر تھا۔ یہ خیال اس کا دماغ خراب کر رہا تھا۔

''میں اگر یہی سوچوں گی تو میرا کیا بنے گا' یہ کتنے سکون سے بیٹھا ہے۔ میں سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہوں' بھاڑ میں جائیں سب' میں بھی پورے رعب سے رہوں گی۔'' وہ اندر ہی اندر مستقبل کی پلاننگ کرنے لگی تھی۔

اور پھر ایسا ہی ہوا تھا' وہ پورے دبدبے سے گھر میں رہتی تھی اس کے کھانے پینے' سونے جاگنے پڑھنے کی روٹین اسی نے ترتیب دی تھی۔ جس پر وہ مؤدب ہو کر عمل پیرا تھا ان کے بیچ جو تعلق قائم تھا اس کی زنجیر کبھی بیچ میں نہیں آئی تھی نہ ہی کبھی شاہ میر نے ایسا ہونے دیا تھا وہ کم عمر تھا مگر سمجھ دار تھا۔ دن اسی طرح اپنی ڈگر پر رواں تھے' وہ بے حد محتاط ہو گئی تھی۔ اپنی آنے والی زندگی کا سوچ کر اس کے احساسات جم گئے تھے۔ انتہائی مشینی انداز میں وہ وقت کاٹ رہی تھی' بابا سائیں' بڑی امی' چھوٹی امی اکثر ملنے کے لیے آ جاتے تھے۔ اس کے انتہائی سنجیدہ رویہ کو دیکھ کر بڑی امی اسے ٹوک گئی تھیں۔

''اب ایسی بھی کوئی بڑھیا نہیں ہو تم زندگی کو خود پر تنگ

کیا ہوا ہے۔"

"بڑھیا نہیں ہوں تو ہو جاؤں گی ایک دن۔ ساری زندگی اسی طرح رہنا ہے تو ابھی سے کیوں نہیں۔" اور اس کا جواب سن کر وہ ششدر رہ گئی تھیں۔

شاہ میر نے بہت اعلیٰ نمبروں سے میٹرک کلیئر کیا تھا' ضلع بھر میں دوم پوزیشن لے کر اس نے شاہ تاج کا بھی ریکارڈ توڑ دیا تھا۔ پہلی فرصت میں وہ لوگ حویلی پہنچے تھے' چھوٹی امی تو بلائیں لیتی نہ تھکتی تھیں آخر کو دو دور شتے تھے۔ کافی دیر وہ ان کے پاس بیٹھنے کے بعد اٹھ کر کمرے میں آئی تو بڑی امی نے آواز دے کر روک لیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"

"کیا......؟" اس نے ناسمجھی سے کہا۔

"یہاں کہاں جا رہی ہو۔"

"اپنے کمرے میں۔"

"تو شاہ میر کے کمرے میں جاؤ' یہاں کیوں جا رہی ہو؟"

"کیا......! شاہ میر کے کمرے میں کیوں جاؤں' پلیز بڑی امی مجھے اس کے نکاح میں دے دیا ہے آپ نے بس یہ ہی کافی ہے مزید کچھ الٹے سیدھے کی توقع مجھ سے مت رکھیے گا۔ مجھے عمروں کا لحاظ از بر ہے۔" دوٹوک لہجے میں کہتی وہ اندر چلی آئی۔ ابھی وہ اس بات کی الجھن میں الجھ ہی رہی تھی کہ شاہ میر چلا آیا۔

"سب اصرار کر رہے ہیں کہ ایک ہفتہ رک کر جانا۔ میں نے منع کیا ہے کہ ہم اتنے دن نہیں رک سکتے مگر بابا سائیں ڈانٹ رہے ہیں۔" قدرے بھاری آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور ناگواری سے اسے ٹوک گئی۔

"کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ناک کرتے ہیں۔"

"سوری۔" وہ یک دم خفت زدہ ہوا۔

"میں خود بات کرلوں گی بابا سائیں سے' تمہاری پڑھائی شروع کرنی ہے اس لیے ہم زیادہ دن ٹھہر نہیں سکتے یہاں۔" وہ بے لچک لہجے میں بولی تو وہ گردن ہلا کر باہر نکل گیا' ٹھنڈی سانس بھر کے وہ بیڈ پر محو استراحت ہوئی۔

❀......❀......❀

"آج یونیورسٹی میں سیمینار ہے میں معمول سے ذرا لیٹ ہو جاؤں گا۔" جلدی جلدی ناشتا کرتے ہوئے وہ بولا۔

"آرام سے کھاؤ۔" اس نے اسے ٹوکا' اتنے میں اس کا فون بجنے لگا' ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے اس نے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو افروز...... بس نکل رہا ہوں' اوکے میں تمہیں پک کرلوں گا تم تیار رہو۔" فون بند کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "اللہ حافظ دوپہر کے کھانے پر میرا انتظار مت کیجیے گا' فرینڈز گیدرنگ بھی ہے۔" وہ کہہ کر چلا گیا اور پُرسوچ انداز میں شاہ تاج نے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

"افروز...... ہوں۔" ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے بھابی کے نمبر پر فون ملالیا' اِدھر اُدھر کی بات کرنے کے بعد انہوں نے شاہ میر کا پوچھا تو اس نے اس کے جانے کا بتادیا۔

"تمہیں نظر رکھنا پڑے گی اس پر' جوان ہے پھر خوب صورت بھی اور اوپر سے امیر بھی' یہ نہ ہو کے......" انہوں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی۔

"میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے وہ گھر سے باہر جس سے بھی ملے میں پابندی لگانے کی اہل نہیں ہوں۔ میرا کام گھر تک ہے' وہ جانے اور اس کا حلقۂ احباب......" وہ بے پروائی سے گویا ہوئی۔

"وہ کیوں جانے؟ تم بیوی ہو اس کی تمہارا حق ہے کہ تم دیکھو وہ کس سے ملتا ہے اور کیونکر ملتا ہے۔"

"میں کیوں دیکھوں وہ جسے چاہے مرضی ملے۔ رہی بیوی کی بات تو آج تک ساری ذمہ داریاں نبھائی ہیں ایک اچھی "خادمہ" کی طرح۔ ہمارے ہاں بیوی کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔" وہ تلخی سے بولی تو ان کے منہ سے ایک ٹھنڈی آہ نکل گئی۔

"تم آج بھی اسی پوزیشن پر' اسی سوچ پر کھڑی ہو جس

پرآٹھ سال پہلے کھڑی تھی۔'' وہ شاک سے گویا ہوئیں۔

''ظاہر ہے ایک بچے کو لڑکپن سے جوانی کی طرف دھکیلتے ہوئے نہ سوچ بدلی جاسکی ہے نہ پوزیشن۔''

''قصور اتمہارا ہی ہے تمہیں خود ہی دلچسپی نہیں' تم آج تک شاہ میر کو ایک ذمہ داری کی طرح نبھاتی آئی ہو۔ بیوی بن کے تم نے کبھی سوچا ہی نہیں۔'' انہیں دکھ ہوا تھا۔

''مجھے زبردستی کی بیوی بننے کا شوق نہیں۔'' وہ تپی ہوئی تھی۔ بھابی نے تھک ہار کے فون بند کردیا' اس کا دل اور بھی بوجھل ہوگیا۔

❁ ❁ ❁

وہ اس وقت مغرب کی نماز کی تیاری کررہی تھی جب گیٹ کے باہر زور دار ہارن بجا۔ ملازمہ نے بھاگ کر دروازہ کھولا تھا' بے حد تھکا ہارا وہ کمرے میں داخل ہوا' پیازی کلر کے دوپٹے کو سر کے گرد لپیٹتی وہ اس کے کمرے میں ناک کرکے چلی آئی۔

''چائے لاؤں تمہارے لیے۔''

''نہیں' موڈ نہیں ہے آپ پلیز ٹیبلٹ بھجوادیں سر درد کی۔ میں کچھ دیر ریسٹ کرلوں۔'' وہ کنپٹیاں دباتے ہوئے بولا۔

''اوکے۔'' وہ سر ہلا کر باہر نکل آئی' ملازمہ کو ٹیبلٹ تھما کے وہ جائے نماز بچھانے لگی۔ نماز سے فارغ ہوکر وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کتاب پڑھ رہی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے کوفت سے ذرا فاصلے پر دھرے فون کو دیکھا اور کتاب کا صفحہ موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہیلو!''

''السلام علیکم!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''وعلیکم السلام! جی کون؟''

''مجھے شاہ میر سے بات کرنی تھی' دراصل ان کا سیل آف ہے میں نے کئی بار ٹرائی کیا پھر لینڈ لائن پر ملانا پڑا۔''

''شاہ میر تو اس وقت سو رہا ہے' آپ ہیں کون؟'' اس نے تذبذب سے پوچھا۔

''اچھا جب وہ جاگ جائیں تو انہیں کہیے گا مجھے کال بیک کریں۔ میں افروز بات کررہی ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر کھٹاک سے فون رکھ دیا۔

''اوہ......!'' اس نے سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔ ''افروز......'' وہ زیرلب نام دہراتی واپس آ بیٹھی' کتاب کھول تو لی مگر ایک لفظ بھی نہ پڑھا گیا۔ اس نے جھنجھلا کر کتاب میز پر پٹخی اور باہر لان میں نکل کر چکر کاٹنے لگی۔

''یہ کیا ہورہا ہے۔'' سینے پر ہاتھ باندھے وہ اس کے مارچ پاسٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''افروز کا فون آیا تھا' کال بیک کرلیجیے گا اس کا حکم تھا۔'' وہ اس کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بولی' وہ ہنسی ضبط کر گیا۔

''اوہ ہاں اس نے مجھے کہا بھی تھا کہ گھر پہنچ کر اپنی طبیعت کا بتانا مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ آپ ایک مگ مزیدار سی کافی پہنچادیں کمرے میں۔'' اسے یک دم یاد آیا۔

''کھانا نہیں کھانا تم نے۔''

''نہیں بالکل بھوک نہیں ہے' کافی پلیز۔''

''آہم......اوکے۔'' وہ کافی بنانے کچن میں چل دی' دو مگ کافی کے ٹرے میں رکھنے کے بعد وہ شاہ میر کے کمرے میں چلی آئی' اس نے ابھی بات کرکے فون بند ہی کیا اور ہلکی سی گنگناہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

''کون ہے یہ لڑکی؟'' اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''راحیل ہے میرا ایک دوست اس کی فرینڈ ہے۔''

''تو اس کی فرینڈ تمہیں کیوں کال کرتی ہے؟''

''ویسے ہی' اگر کسی کا حال احوال پوچھ لیا جائے تو اس میں کیا برائی ہے۔ اچھی لڑکی ہے۔'' وہ نارمل سے انداز میں بولا تو وہ چپ ہوگئی۔

اگلے روز وہ یونیورسٹی نہیں گیا تو وہ خود ہی آدھمکی۔ بلیو جینز پر پرپل سلیوز لیس کرتی پہنے بنا دوپٹہ کے' گولڈن بالوں کے ساتھ ڈارک لپ اسٹک لگائے وہ حسین مجسم کا تاثر دے رہی تھی۔ شاہ تاج تو اسے دیکھ کر دھک سے رہ گئی

تھی۔ کتنے استحقاق سے وہ بنا ناک کیے اس کے کمرے میں گھس گئی تھی۔

"مائی گاڈ تم یہاں ریلیکس کررہے ہو اور میں تمہارا انتظار کرتی اب یہاں آ گئی۔" وہ دھپ سے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی، وہ سیدھا ہوکر اٹھ بیٹھا۔

"کتنی سستی پھیلائی ہوئی ہے تم نے، اٹھو فریش ہو۔ آج سر عبدالرزاق کا بہت اہم لیکچر ہے، ہمیں جو وہ ٹاپک دیں گے اس پر ریسرچ کرنی ہے، راحیل بتا رہا تھا۔"

"لیکچر تو دس بجے ہے، ریلیکس ہوکر چلیں گے۔ کچھ لوگی تم؟" اس نے پوچھا۔ وہ مزے سے بولی تو اندر داخل ہوتی شاہ تاج بل کھا کے رہ گئی۔

"ہیلو، ہو از شی شاہ میر؟" وہ شاہ تاج کو دیکھ کر بولی۔

"آں...... شی...... شی از مائی کزن......" وہ قدرے رک کر گویا ہوا۔

"اوہ ہاؤ سویٹ ویری پریٹی۔" وہ ناز سے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر جھکی جسے شاہ تاج نے چھو کر چھوڑ دیا۔

"ناشتے میں کیا لیں گے آپ؟" وہ مروتاً پوچھ رہی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دے۔

"آج جو شاہ میر ناشتا کرے گا میں بھی وہیں کروں گی۔"

"میں تو ہیوی ناشتا کرتا ہوں، تم پراٹھا کھالو گی؟" اس نے استفسار کیا۔

"کیوں نہیں، ایک دن تمہارے لیے اپنی ڈائٹنگ روٹین ڈسٹرب کرنے میں کیا حرج ہے۔" وہ کھلکھلائی تو شاہ میر بھی ہنس دیا جبکہ شاہ تاج منہ بناتی باہر نکل گئی۔

"دلفنگی......" اس نے دانت پر دانت جما کے اسے خطاب دیا اور کھٹاک سے چولہا آن کردیا۔ پراٹھے بنا کے اس نے آملیٹ بنایا اور چائے کیتلی میں ڈالنے لگی۔ تقریباً تھوڑی دیر میں ہی سارا ناشتا سیٹ کرکے ٹیبل پر لگا دیا۔ جوس کا جگ نکال کے اس نے باہر سے "ناشتا ریڈی ہے" کی آواز دے ڈالی غالباً پانچ منٹ بعد وہ دونوں باہر نکلے تھے اور وہ جل کے خاک ہی ہوگئی تھی۔

"کیا کررہی تھی یہ کمرے میں، باہر نہیں آ سکتی تھی۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑ کررہی تھی۔

"زبردست، کیا خوشبو ہے۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولی اور چائے کپ میں ڈالنے لگی۔ بہت رغبت سے وہ ناشتا کررہی تھی۔ ناشتے سے فارغ ہوکر وہ دونوں چلے گئے اور پیچھے وہ سوچتی رہ گئی۔

وہ کپڑے بیڈ پر بکھیرے پیکنگ میں مصروف تھا جب وہ تنتناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"کس قسم کی بے حیا لڑکی ہے، اتنی ایجوکیٹڈ ہوکر بھی تمیز مفقود ہے۔" شاہ میر نے نظریں اٹھا کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"افروز کی بات کررہی ہوں میں، کسی غیر محرم کے کمرے میں گھس کر اتنی بے تکلفی برتنا یہ کہاں کی تمیز ہے۔ تم اسے منع نہیں کرسکتے، آئندہ مجھے وہ اپنے گھر میں نظر نہ آئے۔" اس نے وارننگ دی۔

"یہ اس کا لائف اسٹائل ہے میں اس پر پابندی نہیں لگا سکتا، وہ جس طرح بھی رہے۔ دوسری بات میں اسے منع بھی نہیں کرسکتا کہ وہ یہاں نہ آئے، اتنا بے مروت نہیں ہوں۔ اگر آپ کو کوئی پرابلم ہے تو آپ اسے منع کرسکتی ہیں۔" وہ سہولت سے کہہ کر پھر سے مصروف ہوگیا، اس کا مزید خون کھول اٹھا۔

"اوکے پھر مجھ سے نہ کہنا کچھ اگر اب وہ یہاں آئے گی تو میں اسے اپنے طریقے سے منع کروں گی۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود اس کے پاس چلا آیا۔

"کل مجھے کچھ دنوں کے لیے ریسرچ کی خاطر قریبی گاؤں جانا ہے اپنی کلاس کے ساتھ۔ آپ یہاں اکیلی کیسے رہیں گی، میں آپ کو حویلی چھوڑ آتا ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں، تم اپنا کام مکمل کرو، میں رہ لوں گی۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بولی۔

"سب یاد کررہے تھے آپ کو میری بھابی سے بات ہوئی تھی اگر آپ چکر لگا آئیں تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑی مگر وہ خاموش کھڑی رہی۔

"شاہ تاج......!" اس نے پکارا تو سرد نگاہوں سے اس نے اسے دیکھا' کتنی بے حس نگاہیں تھیں وہ الجھ کر رہ گیا۔ خاموشی سے کتاب اٹھائے وہ ورق گردانی میں مصروف ہوگئی تھی۔ جس کا صاف مطلب تھا جو وہ کہہ چکی ہے اسی کے مطابق کام ہوگا' وہ بھی چپ چاپ وہاں سے چلا آیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد اس نے گھر فون ملایا' بابا سائیں سے بات کرنے کے بعد اس نے گھر آنے کی فرمائش کرڈالی تھی۔ وہ تو کھل ہی اٹھے تھے فوراً ڈرائیور کو لینے بھیجا تھا۔ حویلی پہنچ کر اسے بے حد سکون ملا تھا' بھتیجے کو گود میں بٹھائے وہ کب سے بیٹھی تھی۔

"اتار دو اسے اب' کب سے چڑھائے بیٹھی ہو' تھک جاؤ گی۔" بھابی پیار سے بولی۔

"ارے نہیں بھابی اتنے دن بعد اپنے شہزادے سے ملی ہوں بھلا تھکاوٹ کیسی۔" وہ اس کے بال بکھیرتے ہوئے بولی۔

"اچھا کھانا لگ گیا ہے آ کر کھانا کھالو۔"

"بابا سائیں آگئے؟"

"ہاں بابا سائیں بھی آگئے ہیں اور ثقلین بھی۔" انہوں نے بتایا۔

"بھابی کیا آپ خوش ہو؟"

"میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ میرا ہمسفر مجھے بے حد چاہتا ہے یا میرے لیے پاگل ہے مگر اتنا ضرور ہے وہ مجھ سے مطمئن ہے اور میں اپنی زندگی سے۔" وہ نپا تلا سا جواب دے کر اسے الجھن میں چھوڑ گئیں۔

کھانے پر سب موجود تھے سوائے شاہ میر کے' دونوں فیملیز کے تمام نفوس موجود تھے۔ ایک چہل پہل کا سا سماں تھا' خوش باش چہرے' اس نے ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈالی اور مسکرادی۔

"الحمدللہ آج میں بہت خوش ہوں۔"

"کتنے سالوں بعد میری بیٹی ہمارے درمیان اپنی خواہش پر موجود ہے۔" وہ اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر بولے' جب سے وہ شہر گئی تھی شاہ میر کے ساتھ تب سے لے کر آج تک وہ کبھی اپنی مرضی سے حویلی نہیں آئی تھی' اب اس نے خود کال کرکے آنے کی فرمائش کی تھی' بابا سائیں کی تو گویا عید ہوگئی تھی۔ جس طرح سب کے ساتھ ہنس بول رہی تھی' انہیں لگ رہا تھا اس کی ناراضگی جو سالوں پہلے ان کے فیصلے کی وجہ سے قائم تھی وہ ٹوٹ رہی ہے۔

چھوٹی امی اور بھابی نے مل کر سب اس کی پسندیدہ ڈشز تیار کی تھیں اور اب اسے زبردستی کھلا رہی تھیں۔

"کتنی کم خوراک ہوکر رہ گئی ہے تمہاری۔ کھاتی پیتی نہیں ہو کچھ۔" بڑی امی ٹوکتے ہوئے بولیں' اس نے کھانے سے جلد ہی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"اور کتنا کھاؤں بڑی امی' اتنا سب کچھ تو کھایا ہے بلکہ آج میں نے بہت زیادہ کھالیا ہے۔" اس نے حیرت سے جواب دیا۔

"تب ہی تو اتنی سی جان لیے گھوم رہی ہو۔" بھابی نے بھی ٹکڑا لگایا۔ "ویسے اچھا ہی ہے عمر چور لگتا ہے بندہ۔" ان کی اس بات پر وہ سنجیدگی سے مسکرائی تھی۔

دوپہر کو جب وہ سونے کے لیے کمرے میں گئی تو شاہ میر کی کال آگئی۔

"میں کب سے کال کررہا ہوں' ریسیو نہیں کررہیں آپ۔"

"میں کھانا کھارہی ہوں۔" حویلی آنے کی بات اس نے اب بھی نہیں بتائی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"ہوں' ٹھیک ہوں' مجھے نیند آرہی ہے پھر بات کروں گی' اللہ حافظ۔" کہہ کر اس نے موبائل سائلنٹ پر لگادیا اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ اس لیے دیئے انداز پر شاہ میر کو غصہ تو بے حد آیا مگر وہ کچھ نہ کرسکتا تھا' موبائل

کو گھور کر رہ گیا۔

''آؤ شاہ میر...... باہر گھومنے چلتے ہیں۔ راحیل بتا رہا تھا ٹیوب ویل چل رہا ہے مجھے دیکھنا ہے۔'' وہ ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔

''جو تمہیں بتا رہا ہے اسی کے ساتھ چلی جاؤ' میرا کوئی موڈ نہیں ہے جانے کا۔''

''کیا ہوا ہے تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟'' وہ اس کے ماتھے پر بل دیکھ کر بولی۔

''کچھ نہیں' جاؤ یہاں سے۔'' وہ کچھ دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر کندھے اچکا کر باہر نکل گئی۔

وہ جتنے دن وہاں رہا اس کے رویے پر الجھتا رہا' چوتھے دن رات آٹھ بجے وہ واپس گھر آیا تو گیٹ کو تالا دیکھ کر کھول اٹھا فوراً اسے فون ملایا وہ جو ناساز طبیعت کے باعث جلد سو گئی تھی بوجھل آواز میں بمشکل بول پائی۔

''گھر کے گیٹ پر لاک کیوں لگا ہے' کہاں ہیں آپ؟'' وہ یک دم بیدار ہوئی۔

''میں اس وقت حویلی میں ہوں' تمہارے پاس چابی ہے تو سہی دوسری' لاک کھول لو۔'' وہ بے زاریت سے بولی۔

''کیا...... حویلی کب گئیں آپ؟'' وہ شاکڈ ہوا۔

''جس دن تم گئے تھے ریسرچ کے لیے اسی شام۔''

''اور جب میں نے کہا تھا میں حویلی چھوڑ آتا ہوں تب کیا ہوا تھا؟'' اس آرام دہ انداز پر اسے تاؤ آیا۔

''تب میرا موڈ نہیں تھا' بعد میں بنا تو بابا سائیں کو کال کر کے ڈرائیور بلوا لیا۔'' وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھی جبکہ وہ دانت پیس رہا تھا۔

''میں کل لینے آ جاؤں گا آپ تیار رہیے گا۔''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے میرا فی الحال کوئی ارادہ نہیں آنے کا۔ تم اپنا کام کرو ویسے بھی اسٹڈیز برڈن زیادہ ہے آج کل تم پر۔'' ایک اور جھٹکا لگا تھا اسے' ایک تو وہ اپنی مرضی سے گئی تھی اور اب وہاں رہ بھی رہی تھی اصولاً تو اسے خوش ہونا چاہیے تھا مگر جانے کیوں وہ جھنجلا رہا تھا۔

''میں کھانا کیسے پکاؤں گا اور بہت سے کام ہیں میرے اور گھر کے وہ کون کرے گا؟''

''عذرا کرے گی' وہ صفائی بھی کر جایا کرے گی اور کھانا بھی پکا جایا کرے گی۔ میں نے اسے کہہ دیا تھا تم فکر نہ کرو' ریلیکس ہو کر رہو۔'' وہ مزے سے بولی تو اس نے ہاتھ میں پکڑا بیگ زمین پر پٹخا۔

شاہ تاج کی اسے اتنی عادت ہو چکی تھی کہ ساری روٹین ہی اس کی تلپٹ ہو گئی تھی۔ شرٹ ہاتھ میں لیے وہ کب سے استری کرنے میں مصروف تھا مگر سلوٹیں ختم نہ ہو رہی تھیں' اسے ہر چیز دھلی دھلائی' پکی پکائی مل جایا کرتی تھی اور اب اسے خود سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔

''تم اس قدر پھوہڑ ہو مجھے اندازہ نہیں تھا' کب سے دیکھ رہی ہوں یہ بے چاری شرٹ کا کیا حال کر دیا تم نے۔'' دروازے سے ٹیک لگائے وہ جانے کب آن کھڑی ہوئی تھی۔

''افروز تم...... تم کب آئیں؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''پانچ منٹ پہلے ہی' یہاں سے گزر رہی تھی سوچا تم سے ملتی جاؤں مگر یہاں آ کر تو کافی فنی چوئشن دیکھنے کو ملی۔ کب تک آئے گی تمہاری کزن؟'' وہ شرٹ اس کے ہاتھ سے لے کر پریس کرنے لگی اور وہ ٹھنڈی سانس بھر کے صوفے پر گر گیا۔

''پتا نہیں کب آئے گی۔'' آج اسے گئے ہوئے دسواں دن تھا مگر اس کے آنے کا کوئی پتا نہ تھا۔

''لو ہو گئی تمہاری شرٹ پریس۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تھینکس......'' اس کا تھینکس آدھا منہ میں ہی رہ گیا' شرٹ تھامتے وہ سامنے کھڑی شاہ تاج کو دیکھ رہا تھا۔ براؤن گرم شال میں وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی' اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا اسے دیکھ کر۔

''ہائے۔'' افروز بولی۔

''وعلیکم السلام!'' سپاٹ سا جواب دے کر اس نے ایک نظر دونوں کو باری باری دیکھا اور کمرے سے چلی گئی' وہ

شرمندہ ہوکررہ گئی تھی۔

''تمہاری کزن اتنی روڈ کیوں ہے؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ روڈ نہیں ہے، بس سنجیدہ ہے۔'' اس نے کہا تو وہ ''شاید'' کہہ کر رہ گئی۔

''اوکے میں چلتی ہوں' صبح یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی۔''

''اوکے۔'' وہ چلی گئی تو شاہ میر نے شرٹ ہینگ کی اور سیدھا اس کے کمرے میں چلا آیا' کھڑکی کھولے وہ باہر لان کو دیکھنے میں مگن تھی۔

''دوسروں کی کمپنی میں رہ کر تم اخلاقیات بھولتے جارہے ہو۔'' وہ بنا مڑے طنز کرتے ہوئے بولی۔ وہ جو دروازہ ناک کرکے نہیں آیا تھا اس بات پر اس نے اس نے معذرت بھی نہیں کی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ افروز کو دیکھ کر جانے وہ کیا کہے گی اسے' مگر وہ یوں چپ چاپ چلی آئی تھی اسے یہ بات کھٹک رہی تھی۔

''تم سوچ رہے ہوگے کہ میں نے اسے کچھ کہا کیوں نہیں۔ جہاں الفاظ بے معنی ہوں وہاں ان کا ضیاع نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے تم مجھے ٹائم اور لمٹ بتادو میں تمہارے لیے اسٹینڈ لوں گی' میں خود بات کرلوں گی بابا سائیں سے۔ تمہیں کتنا وقت چاہیے تب تک میں کنوینس کرلوں گی سب کو۔''

''کیا بات کریں گی آپ بابا سائیں سے۔''

''وہی جو تم چاہتے ہو۔'' وہ رسان سے بولی۔

''اور میں کیا چاہتا ہوں؟'' انداز سوالیہ تھا۔

''تم افروز کو اور افروز تمہیں...... میں تم دونوں کی شادی کی بات کررہی ہوں۔''

''دماغ خراب ہوگیا ہے آپ کا' خودساختہ مفروضے اپنے پاس رکھیں آپ۔'' وہ یک دم بپھرا۔

''خودساختہ نہیں ہیں یہ' سب سمجھتی ہوں میں اس کا بار بار یہاں آنا اور تمہارا متوجہ ہونا' یہ چوہے بلی کا کھیل ڈراپ کرو۔ میں تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔''

ٹھہرے ہوئے لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھی۔

''ہاں بہت سمجھ دار ہیں آپ تب ہی آپ کو صرف افروز دکھائی دیتی ہے مگر...... خیر یہ بتائیں اپنے لیے تو آپ اسٹینڈ لے نہیں سکیں میرے لیے کیسے لیں گی۔ روایات بدلی تو نہیں وہی ہیں تو پھر سیدوں کی نسل کیسے خراب کرنے کا سوچ سکتی ہیں آپ؟'' اس نے پوچھا۔

''تب بات اور تھی اور اب وقت اور ہے۔ میں یہ سب کیسے کرتی ہوں یہ مجھ پر چھوڑ دو' میں نہیں چاہتی جیسے میری زندگی خراب ہوئی ہے ویسے تمہاری بھی ہو اس فرسودہ رسم کی وجہ سے اپنے جذبات اور خواہشوں کو روند چکی ہوں مگر اس مشکل سے نکلنا چاہتی ہوں۔ جو تمہاری خواہش ہے اسے میں پورا کروں گی' افروز کو تمہاری زندگی میں لے کر آؤں گی۔'' وہ ڈھکے چھپے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ ٹھہری مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا' اس نے جونہی اس کی طرف دیکھنے کے لیے پلکیں اٹھائیں گڑبڑا کر واپس جھکالیں اس کی نظریں عجب تاثر دے رہی تھیں۔

''مگر میرا ارادہ نہیں ہے سیدوں کی نسل خراب کرنے کا۔ میں چاہتا ہوں میری نسل کم از کم ایک سید زادی سے ہی چلے۔ آگے کا دیکھا جائے گا' اپنے بچوں کے لیے مل کے یہ روایت توڑ دیں گے۔''

''یہ کیا رٹ لگائی ہے نسل خراب کرنے کی۔ تم پڑھے لکھے ہو تم بھی دقیانوسی سوچ رکھتے ہو۔ قبیلے' نسل' ذات پات' رنگ روپ کی جب برتری اسلام نے نہیں رکھی تو ہم کون ہوتے ہیں یہ برتری قائم کرنے والے۔'' وہ غصے سے بولی اور وہ دلکشی سے ہنس دیا۔

''میری بات نہیں سمجھیں آپ' ذرا غور کریں ریلیکس ہوکر۔'' وہ یونہی مسکراتے باہر نکل گیا اور جب اس نے اس کی بات پر دھیان دیا تو سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا اس کا ازلی رعب اور غصہ عود آیا تھا تن فن کرتی وہ اس کے کمرے میں پہنچی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ' کیا بکواس کی ہے تم نے۔'' وہ

دھاڑی۔

''ابھی تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا' کمال ہے آپ کو پتا نہیں کون سی بدتمیزی نظر آرہی تھی۔''

''تم اپنی حد میں رہو اور نظریں نیچے کروا پنی۔''

''نظریں نیچی کرلوں گا تو آپ کو دیکھوں گا کیسے۔'' وہ معصومیت سے گویا ہوا۔ اس نے جھٹکے سے اسے دیکھا...... یہ وہی شاہ میر تھا اس کی ہر بات ماننے والا' اس نے کبھی اس رشتے کا احساس نہیں دلایا مگر آج وہ سرتاپا بدلا ہوا لگ رہا تھا۔

''تمہیں اندازہ ہے تم کس قسم کی گفتگو کررہے ہو مجھ سے۔'' وہ صدمے سے بولی۔

''ہاں بالکل اندازہ ہے اور مکمل ہوش وخرد میں موجود ہوں۔'' اس نے قدم اٹھا کر اپنے اور اس کے درمیان موجود فاصلہ کو کم کیا' وہ مزید پیچھے ہٹی تھی۔ ''میں نہیں چاہتا تھا اپنا آپ عیاں کرنا ابھی' مگر آپ کی اس بات اور رویہ نے مجھے مجبور کردیا کہ میں ایسا انداز اپناؤں۔ افروز کون ہے جانتی ہیں آپ' صرف کلاس فیلو ہے میری اس سے زیادہ اس کی کوئی وقعت نہیں اور جس کی اہمیت میری زندگی میں سب سے زیادہ ہے وہ اس وقت میری نظروں کے عین سامنے کھڑی مجھے غصے سے گھور رہی ہے۔'' وہ مزے سے بولا تو اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ عجیب احساس کمتری نے سر ابھارا تھا' وہ ڈوبتے دل کے ساتھ وہاں سے چلی گئی اور پھر ساری رات بے تحاشا روتے ہوئے گزار دی تھی وہ ایسا نہیں چاہتی تھی' ہرگز نہیں چاہتی تھی مگر دل ودماغ عجیب احساس میں گھرے ہوئے تھے۔ ایک واضح فرق حائل تھا دونوں کے بیچ وہ اس فرق کو بخوبی محسوس کررہی تھی اس کی سوئی بائیس اور بتیس کے بیچ گھوم رہی تھی۔

وہ کم عمر لڑکا جسے اس نے خود پالا تھا' بچپن میں کتنی بار وہ اس کی گود میں کھیلا تھا جب وہ چھوٹا سا تھا ایک سال کا تب وہ بمشکل اسے اپنی گود میں لیے گھومتی تھی۔ چھوٹی امی کے منع کرنے کے باوجود گود میں چڑھا کے رکھتی تھی' بڑی بہنوں کی طرح رعب ڈالتی' تھوڑا بڑا ہوا تو اس کا اسکول کا ہوم ورک وہ خود چیک کرتی تھی' ڈانٹ کر پڑھاتی تھی اور پھر لڑکپن سے لے کر اب تک وہ اس کے ساتھ سائے کی طرح رہی تھی۔ کتنا مشکل تھا پہلے اسے بھائی سے شوہر کے روپ میں دیکھنا' آٹھ سال پہلے وہ اس کرب سے گزری تھی اور آج جب وہ اپنی زندگی کو ایک خاص نقطہ پر مرکوز کرچکی تھی تو وہ اپنا حق مانگنے چلا آیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ اس بات پر سمجھوتہ نہیں کرے گی اسے اس حق سے بری ہی رکھے گی۔ یہ تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا وہ یوں اس کے سامنے تن جائے گا' اس نے تو اس رشتے کو کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا نہ محسوس ہونے دیا تھا پھر وہ کیوں ایسا کررہا تھا اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ سوچوں نے ایسا شدید اثر ڈالا کہ وہ صبح اٹھنے کے قابل بھی نہ رہی' شدید سر درد کی وجہ سے بخار نے آن گھیرا تھا۔ اس نے کچن میں جھانکا تو وہ وہاں بھی موجود نہیں تھی' سات بج چکے تھے اور ناشتے کے کوئی آثار نہیں تھے وہ سیدھا اس کے کمرے میں چل آیا تھا۔

''کیا بات ہے آج بھوک ہڑتال تو نہیں' سات بج گئے ہیں مجھے یونیورسٹی جانا ہے۔'' مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی' اس نے پکارا مگر جواب ندارد۔ وہ پاس چلا آیا' وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی' اس نے ہاتھ بڑھا کر جونہی گال تھپتھپایا' ایک گرم سا شعلہ چھو گیا۔

''اُف اللہ' اتنا تیز بخار۔'' وہ بوکھلا گیا۔ ''اتنی صبح تو کوئی کلینک بھی نہیں کھلا ہوگا۔'' وہ بھاگ کر ٹھنڈے پانی کا باؤل بھر لایا مگر پٹیاں کیسے کرے پھر کچھ یاد آنے پر اس نے الماری سے اپنا رومال نکالا اور اسے پانی میں ڈبو کر پٹیاں کرنے لگا۔ اس کی محنت رنگ لائی اور وہ نیم بے ہوشی سے ہوش میں آنے لگی' اس نے پانی کا باؤل ٹیبل پر رکھا اور باہر نکل گیا' ٹرے ہاتھ میں لیے جب وہ اندر داخل ہوا تو وہ بیدار ہوچکی تھی۔

''لو یہ ناشتا کرلو پھر ٹیبلٹ لے لینا۔'' وہ سلائس اٹھا کر اس پر جیم لگانے لگا۔ اس نے ایک نظر اسے اور پھر گھڑی کو دیکھا۔

"بخار تھا بہت، مجھے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرنی پڑیں کیونکہ اتنی صبح تو ڈاکٹر کا ملنا ممکن نہ تھا۔ آپ ناشتا کرکے دوا لے لیں پھر تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" وہ فکرمندی سے بول رہا تھا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو شاہ میر نے اس کے دونوں بازو تھام کر سیدھا کرنا چاہا تھا مگر اس نے بری طرح جھٹک دیئے تھے۔

"ڈونٹ ٹچ می اگین۔" وہ پھنکاری۔

"ناشتا کرو۔" اس نے جوس کا گلاس اس کی طرف بڑھایا مگر وہ رخ پھیر گئی۔

"نہ تو مجھے ناشتا کرنا ہے اور نہ ہی کوئی ٹیبلٹ لینی ہے میری فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں، اچھا۔" اس نے اچھا کو ذرا کھینچ کر ادا کیا۔

"مگر میں تو یہاں سے نہیں جانے والا جب تک آپ یہ دونوں کام نہیں کرلیں گی اگر نہیں کریں گی تو ابھی کال کرتا ہوں حویلی اور سب کو بتاؤں گا آپ کو بخار ہے اور آپ دوا نہیں لے رہیں پھر تو آپ کو لینی پڑے گی اور سب پریشان الگ ہوں گے۔" اس کی اس بات پر وہ ضبط سے ہونٹ بھینچ گئی۔

"چلیں کریں اب ناشتا۔" اس نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے دودھ کا گلاس تھاما اور چند لقمے زہر مار کرتے گولی کھائی اور ایک جھٹکے سے کمبل کھینچ کر خود پر تان لیا، شاہ میر کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

اس نے یونیورسٹی جانے کا ارادہ ترک کیا اور کپڑے چینج کرکے اپنے لیے ناشتا بنانے لگا۔ نو بجے کے قریب وہ ڈاکٹر کو گھر پر ہی لے آیا تھا، کچھ میڈیسن اور ریسٹ کا کہہ کر وہ چلے گئے تو شاہ میر اس کے پاس آ کر بولا۔

"ڈاکٹر ذہنی ٹینشن کا بتا رہے تھے جسمانی آرام سے زیادہ ذہن کو پُرسکون کرنے کی ضرورت ہے۔"

"جب تک تم میری نظروں کے سامنے رہو گے کم از کم میں پُرسکون نہیں ہوسکتی۔"

"تو میں کہاں جاؤں اپنا چھ فٹ وجود لے کر، کوئی چھوٹی سی چیونٹی تو ہوں نہیں جو کونے کھدرے میں چھپ جاؤں گا۔" وہ ازراہ مذاق بولا۔

"میں حویلی چلی جاؤں گی اب مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"ہرگز نہیں، ایسا میں ہونے نہیں دوں گا، میری اسٹڈی مکمل ہونے تک ہمیں یہیں رہنا ہے پھر ہم بعد میں چلیں گے ناں اکٹھے۔" وہ قطعیت سے بولا اور شاہ تاج اندر ہی اندر ابل رہی تھی۔

"اچھا یہ بحث چھوڑیں، یہ بتائیں آج دوپہر کھانے میں کیا پکاؤں میں۔ سوپ تو بس میں ابھی ریڈی کردیتا ہوں آپ کے لیے اور مزید کچھ آپ بتادیں، اب یہ مت کہیے گا مجھے کچھ نہیں کھانا۔" اس نے خفگی بھری نگاہوں سے اسے دیکھا جواباً شاہ میر نے بہت جذب سے شعر پڑھا۔

بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر لیکن
کھلتی ہیں دل میں اتر کر تیری آنکھیں

اور شاہ تاج گم صم ہوکر رہ گئی۔

ایپرن پہنے وہ کچن میں موجود تھا، یخنی پلاؤ ریسپی اس نے شاہ تاج سے ہی پوچھ لی تھی۔

"یار نمک تو بتادیں ایک چمچ ڈالنا ہے۔" وہ دروازے میں سے منہ نکال کر پوچھنے لگا، وہ پہلے ہی چڑی ہوئی تھی پوچھ پوچھ کر اس کا دماغ چاٹ چکا تھا۔

"حسب ذائقہ ڈالنا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی تو وہ ہنستے ہوئے غائب ہوگیا۔ ایک بجے کھانا ریڈی کرکے وہ اس کے پاس لے آیا تھا۔

"شیف شاہ میر کے ہاتھ کا تیار کردہ لذیز پلاؤ نوش فرمائیں۔" بھوک تو پہلے بھی لگ رہی تھی اب کھانا سامنے دیکھ کر وہ ہاتھ روک نہ پائی۔ پلاؤ واقعی مزے دار تھا، بخار کی وجہ سے اس کا منہ کا ذائقہ پھیکا ہو رہا تھا، جھٹ پٹ پلاؤ کھا کر اسے کچھ اچھا محسوس ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے چائے کا پوچھا تو وہ منع کرگئی مگر تھوڑی دیر بعد اسے چائے کی طلب محسوس ہوئی تو وہ خود ہی کمرے سے باہر نکل آئی۔ چائے کا مگ لے کر ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے اس

کے بڑھتے قدم یک دم ٹھٹک کر رک گئے۔

"بھابی میں بہت پریشان ہوں وہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں میری فیلنگز کو...... میں نہیں چاہتا وہ اب مزید سروائیو کریں میرے لیے اتنے سال انہوں نے میرے لیے میری خدمت کرتے گزار دیے آخر وہ بھی انسان ہیں زندگی کے رنگوں پر ان کا بھی حق ہے۔" وہ فون پر بھابی سے اسے ڈسکس کررہا تھا۔ اس کا مطلب یہ بھابی اور اس کی ملی بھگت ہے وہ خراب دل لیے کمرے میں چلی آئی چائے پینے کو دل ہی نہ کیا نہ ہی نیند مہربان ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ہی اس کا فون بجنے لگا بھابی کی کال آرہی تھی اس کا موڈ نہیں تھا اٹینڈ کرنے کا فون بج بج کر بند ہوگیا اور پھر سے بجنا شروع ہوگیا اس نے کوفت سے یس کا بٹن پش کردیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو تاج؟"

"ٹھیک ہوں میں۔"

"آواز کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تمہاری۔"

"آواز سے کیا ہوتا ہے۔" وہ بے زاریت سے بولی۔

"کچھ ہو یا نہ ہو کم از کم طبیعت کا پتہ تو لگ ہی جاتا ہے۔" وہ کچھ نہ بولی۔ "کیا ہوا چپ کیوں ہوگئیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"سوچ رہی ہوں بھروسہ ٹوٹنے کی تکلیف کا عالم کیا ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب...... کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟"

"کچھ نہیں شاہ ریز کیسا ہے؟ اسے کہنا پھوپو بہت یاد کرتی ہے تمہیں۔"

"شاہ ریز ٹھیک ہے تم جو کہہ رہی تھیں اس کا مطلب کیا ہے۔" وہ الجھ رہی تھیں۔

"اس کا مطلب آپ خود سے پوچھیں آپ کو پتا چل جائے گا۔"

"شاہ تاج جو بھی ہے کھل کر کہو گھماؤ پھراؤ مت۔"

"بھابی مجھے اندازہ بھی نہیں تھا شاہ میر کے اس رویے کے پیچھے آپ کا ہاتھ ہوگا۔ آپ اسے اکسا رہی ہیں کہ وہ مجھے میرا حق دے۔" وہ ضبط توڑتے ہوئے بولی۔

"وہ کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے جو میرے کہے میں آجائے میں صرف اسے سپورٹ کررہی ہوں کیونکہ میں تم دونوں کو اکٹھے دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ فوراً کلیئر کرتے ہوئے بولیں۔

"اکٹھے...... اکٹھے...... کیا اکٹھے...... کون سے اکٹھے رہنے کی بات کررہی ہیں آپ۔ مرچکا ہے میرا دل اور احساس سمجھوتہ کا گھونٹ بھرچکی ہوں میں اب مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے کسی کی ہمدردی نہیں چاہیے مجھے۔" وہ قطعیت سے کہہ کر کال ڈس کنکٹ کرگئی۔

اس نے سوچا کیا تھا اور ہو کیا رہا تھا افروز کا کردار تو بس شاہ تاج کو جلانے کے لیے تھا وہ اسے پروٹوکول دے ہی اس لیے رہا تھا کہ وہ دیکھنا چاہتا تھا اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ جب شاہ تاج نے بھابی کو افروز کی بابت بتایا تب ہی انہوں نے کال کرکے شاہ میر کے کان کھینچے تھے اور اس نے کلیئر کیا تھا انہیں۔ یہ تجویز بھی بھابی ہی کی تھی کہ تھوڑی توجہ اگر وہ افروز پر مرکوز کردے تو شاہ تاج کا ری ایکشن معلوم ہوجائے گا۔ پہلے پہل تو اس کے تاثرات دیکھ کر شاہ میر کو بہت مزا آیا تھا وہ جلتی بھنتی اسے وارن کرنے آئی تھی تب انہیں لگا تھا کہ اسے ہینڈل کرنا آسان ہے مگر دوسری بار اس کے بیان پر اسے دھچکا لگا تھا۔ وہ تو اسے اس کے ساتھ نتھی کرنے کے چکروں میں تھی تب اس کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اس نے وہ رویہ اپنایا جو وہ چاہتا تھا۔ صرف اس کے غصے کی وجہ سے وہ خاموش تھا بچپن کی اٹیچ منٹ تو رشتہ بدلتے ہی گہری انسیت میں بدل گئی تھی مگر اس نے کمال مہارت سے اپنے جذبوں کو چھپائے رکھا ورنہ وہ اس سے غافل نہ تھا اس کے ہنسنے بیٹھنے رونے چلنے پھرنے تک کا انداز اسے ازبر تھا۔ وہ جانتا تھا جب وہ اپنے جذبے آشکار کرے گا تو وہ بھڑکے گی اور ایسا ہی ہوا تھا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا یہ پہاڑ سر کرنا مگر وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہ تھا۔

راحیل کی شادی کا کارڈ آیا تھا اور اس کا پورا ارادہ تھا کہ

وہ شاہ تاج کو ساتھ لے کر جائے مگر وہ مان کے نہیں دے رہی تھی اُسے نے راحیل کو کہا تھا کہ وہ خود بات کرے اس سے اس کے اصرار پر اسے مجبوراً ماننا پڑا تھا وہ بھی صرف بارات کا فنکشن اٹینڈ کرنے کی حامی بھری تھی۔ ٹی پنک کلر کی لانگ فراک پہنے جوڑا اسٹائل بنائے وہ بے انتہا ڈیسنٹ اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ ہلکی سی میچنگ لپ اسٹک اسے نظر لگ جانے کی حد تک حسین بنا رہی تھی۔ دوپٹہ سر پر لے کر اس نے اپنی روایتی شال کندھوں پر ڈال لی تھی شربتی آنکھیں بنا کسی سنگھار کے ہی غضب ڈھا رہی تھیں پھر بھی اس نے کاجل اٹھا کر ایک گہری لکیر آنکھوں میں سجا لی تھی۔ ایش گرے تھری پیس سوٹ میں لمبے سراپے کے ساتھ وہ ڈیشنگ کی اصطلاح پر پورا اتر رہا تھا اس نے بلانے کے لیے جونہی دروازہ کھولا وہ آگے ایک قدم بھی نہ بڑھا پایا۔ یک ٹک اسے تکتے ہوئے پورا دروازہ کھولنا بھی وہ بھول گیا موبائل ہاتھ میں لے کر وہ جونہی سیدھی ہوئی تو ٹکٹکی باندھ کر اسے گھورتے شاہ میر پر نظر گئی اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"گھورنا بند کرو اپنی لمٹس یاد رکھا کرو۔"

"میں اپنی لمٹس میں ہی ہوں ورنہ آپ میرے حق کا ایک فیصد بھی برداشت نہ کرسکیں۔" معنی خیز بات پر وہ غصے سے سر جھٹک گئی۔

"راستے سے ہٹو اور جانے کی تیاری کرو۔"

"ٹھہر جائیں کچھ دیر ابھی کچھ ٹائم باقی ہے۔" وہ ہنوز اسی انداز میں گویا ہوا نظریں اس کے طواف میں مصروف عمل تھیں۔ وہ اندر ہی اندر سمٹ رہی تھی مگر باہر سے ایسا کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی سو اسی سرد انداز میں اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"تمہیں ٹھہرنا ہے تم ٹھہرو مگر مجھے راستہ دو باہر جانا ہے۔"

"اوہوں اکٹھے چلیں گے ناں صرف چند منٹ۔" التجائیہ الفاظ تھے۔

"اگر ڈسٹرب کرو گے تو میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"بہت ضدی ہیں آپ کبھی میری بھی مان لیا کریں۔"

"میں صرف صحیح باتیں مانتی ہوں غلط باتوں کو ماننا میری عادت نہیں۔"

"اوکے...... اوکے۔" وہ فوراً سنجیدہ ہوا۔ وہ نرمی سے سارا معاملہ نبٹانا چاہتا تھا اس لیے خاموشی اختیار کرگیا برسوں کا غبار تھا آہستہ آہستہ ڈھلے گا۔ چابیاں اٹھا کر وہ باہر آیا تو اسے فرنٹ سیٹ پر موجود دیکھ کر مسکراہٹ لبوں پر در آئی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کی لاتعلقی کو نظر بھر کے دیکھا گردن موڑے وہ بے پروائی کی حد پر تھی اس نے میوزک آن کردیا۔

گلابی آنکھیں جو تیری دیکھیں

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔" اس نے ایک جھٹکے سے میوزک آف کیا۔

"اس میں بے ہودگی کیا ہے گانا ہی تو ہے۔" وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔

"تمہیں اچھے سے یہ بات ازبر ہے کہ مجھے نہیں پسند یہ حرکتیں مگر پھر بھی جان بوجھ کر وہی کرتے ہو۔" وہ سختی سے بولی۔

"اُف......" وہ خفگی سے بس اتنا ہی بول پایا۔

وہاں پہنچ کر اس کا ٹکراؤ سب سے پہلے افروز سے ہوا شاہ میر کو دیکھ کر اس نے جس وارفتگی کا مظاہرہ کیا تھا شاہ تاج بس دیکھتی رہ گئی۔ وہ اس کی ایک ایک ادا نوٹ کررہی تھی۔ ہیلو ہائے کرکے وہ کارنر پر سجی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئی وہاں شاہ میر کے کئی کلاس فیلوز اور فرینڈز آئے تھے میل فی میل مکس گیدرنگ دیکھ کر وہ الجھ رہی تھی کیونکہ لڑکیوں کی ڈریسنگ اور حرکتیں کچھ زیادہ ہی بے باک تھیں۔ "یہ پڑھی لکھی لڑکیاں تھیں ہنہہ۔" وہ دل ہی دل میں طنز کررہی تھی۔ تعلیم تہذیب سکھاتی ہے مگر یہاں تو ادب و آداب ہی مفقود تھے تھوڑی دیر بعد ہی شاہ میر فرینڈز کے ساتھ ادھر ہی چلا آیا تھا۔ اس نے شاہ تاج کا ان سے تعارف کروایا تھا وہ کھڑی ہوکر لڑکیوں سے ملی تھی ان سب کی نظروں میں

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آئی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

اس کے لیے ستائش تھی۔

''آپ کیا کرتی ہیں' آئی مین اسٹڈی وغیرہ کچھ؟'' ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

''میں نے ایم فل کیا ہے اور اب......''

''اور اب یہ ہاؤس وائف ہیں۔'' شاہ میر نے اس کا جملہ بیچ میں سے اچک لیا۔

''کیا...... یہ میرڈ ہیں' لگتا تو نہیں ہے۔ شوہر کہاں ہوتے ہیں آپ کے۔'' افروز ورطۂ حیرت میں ڈبکیاں کھاتے پوچھ رہی تھی۔

''شوہر یہاں پائے جاتے ہیں ان کے۔'' اس نے پاس کھڑی شاہ تاج کو ایک بازو کے حصار میں لے کر خود سے لگایا' اتنی قربت وہ سلگ کر رہ گئی جبکہ شاہ میر کے ہونٹوں پر دلآویز مسکان سج گئی۔ وہ اس حصار میں ذرا کسمسائی۔

''ارے واہ یار...... کیا کپل ہے' کمال ہے بہت بڑا گھنا میسنا ہے تُو۔''

''تو اور کیا حد ہے اتنی خوب صورت وائف بغل میں دبائے گھوم رہے ہیں موصوف اور مجال ہے جو کبھی بھنک بھی لگنے دی ہو۔'' اس کے دوست جملے کس رہے تھے اور خوشی کا اظہار کر رہے تھے بجز افروز وہ ایسے کھڑی تھی جیسے کلاس میں نالائق بچے کی ٹیچر کے ہاتھوں عزت افزائی ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ کوئی محسوس کرے نہ کرے مگر شاہ تاج نے ضرور کیا تھا اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو' وہ وہاں رکی نہیں تھی چلی گئی تھی۔ وہ سب اب راحیل کو بتانے گئے تھے اس کی یہ بات بے حد شاکنگ نیوز تھی' وہ تو سن کے گویا سکتے میں ہی آ گیا تھا۔

''یعنی شاہ تاج بھابی ہے ہماری' قسم سے یار یہ تو میرے دل کی بات ہوگئی۔ تمہارا کپل مجھے روز اول سے بہت پسند تھا۔'' وہ اپنے دل کی بات کر رہا تھا۔

''یار ٹریٹ تو بنتی ہے زبردست سی وہ بھی بھابی کے ہاتھ کے مزیدار سے لنچ کی۔'' سب نے اس کی تائید کی تھی' وہ اندر ہی اندر خائف ہو رہی تھی' سب وی آئی پی پروٹوکول دے رہے تھے۔ چھیڑ چھاڑ' ہنسی شرارت میں کب وقت گزرا پتا ہی نہ چلا' راحیل کی بہنوں سے اس کی اچھی خاصی بات چیت ہوئی تھی' واپسی پر وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی پھٹ پڑی۔

''میرے منع کرنے کے باوجود تم نے وہی کیا جو تمہارا دل کیا۔ کیا ضرورت تھی اعلان کرنے کی' کتنی بے عزتی فیل کر رہی تھی میں تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔ بس اپنی پڑی رہتی ہے۔''

''میرا بس چلے تو میں اشتہار لگوا دوں اس بات کے' آپ اعلان کو رو رہی ہیں۔'' وہ دوبدو بولا تو اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا جواباً وہ گہری مسکراہٹ اس پر اچھال گیا۔

''کال کر کے اپنی سو کالڈ فرینڈ کا حال چال بھی پوچھ لینا۔''

''کون سی فرینڈ؟''

''ایک ہی تو فرینڈ ہے کلوز والی افروز۔'' وہ کلوز پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''کیوں اسے کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں ہاں البتہ تمہارا اعلان سن کے وہ غیر حاضر ضرور ہوگئی تھی۔ ظاہر ہے دھچکا تو لگنا تھا تم نے خبر ہی ایسی نشر کی تھی وہ برداشت ہی نہ کر پائی۔ کیوں مشکل میں ڈال رہے ہو اس کو بھی اور خود کو بھی۔ ختم کرو یہ ڈرامہ فیلنگز اور زندگی کو صحیح راہ پر لاؤ۔'' وہ اسے سنا رہی تھی۔

''کیا مطلب ڈرامہ؟ آپ میری فیلنگز کو ڈرامہ کہہ رہی ہیں......!'' اس کا پاؤں بریک پر جا پڑا۔

''ہاں تو اس میں جھوٹ کیا ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''یہ بھی نہیں ہے میرے خلوص کو ڈرامہ کہنے کا آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا اور افروز کیا فیل کرتی ہے کیا نہیں' یہ میرا ہیڈک نہیں۔''

''کیوں تمہارا ہیڈک نہیں' جتنے تپاک سے تم ملتے ہو اس سے تو یہی ظاہر کرتا ہے اور ویسے بھی پرفیکٹ

میچ ہے وقت ضائع مت کرو۔'' وہ سنجیدہ تھی جبکہ شاہ میر خائف تھا۔

''میں پہلے ہی آپ کو کلیئر کرچکا ہوں کہ وہ صرف میری اچھی کلاس میٹ ہے نتھنگ مور۔'' مگر وہ کچھ نہ بولی' شال سنبھالتی گاڑی کا دروازہ کھول کر نکل آئی' وہ اس کے پیچھے چلا آیا۔

''آخر آپ مان کیوں نہیں لیتیں کہ میری زندگی میں داخل ہونے والی آپ میری اکلوتی محبوبہ ہیں۔''

''تمیز ملحوظ خاطر رکھو شاہ میر...... تم ابھی بچے ہو تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔'' وہ ناگواری سے اسے ٹوک گئی۔

''بچہ نہیں ہوں میں' اس غلط فہمی کے طوق کو آپ نکال باہر کریں۔ عمروں کے فرق کو آپ نے اتنا بڑا مسئلہ بنالیا ہے۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''میری زندگی کو برزخ میں مت دھکیلو۔'' اس کی آواز میں نمی تھی۔

''میں تو آپ کی زندگی کو گلزار بنانا چاہتا ہوں' مجھے سمجھ نہیں آتا میں ایسا کیا کروں جس سے آپ کو یقین آجائے۔'' وہ بے بسی سے بولا' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ بہنے لگے۔

''رویا مت کریں۔''

''کیوں؟'' وہ تنک کر بولی۔

''پھر میرے دیکھنے پر آپ کہیں گی کہ مجنوں لگتا ہے۔'' وہ شرارت سے لب دبا کر بولا تو اس کی آنکھوں کے ارتکاز سے زچ ہوکر اس نے انگشت شہادت کا رخ دروازے کی جانب کیا جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ نکل جاؤ یہاں سے۔

''تجھ کو اپنا نہ بنایا تو میرا نام نہیں۔'' وہ زیرلب بڑبڑاتے باہر نکل گیا اور پیچھے وہ چکراتے سر کو تھام کر بیٹھ گئی۔ وہ نہیں جان پارہی تھی وہ رو کیوں رہی ہے مگر پھر بھی رو رہی تھی' باوجود کوشش کے وہ گرم سیال کو بہنے سے روک نہیں پارہی تھی۔

❁ ❁ ❁

دسمبر کی پہلی بارش ٹھنڈ میں اضافہ کررہی تھی' سرمئی بادلوں سے لپٹا آسمان اور یخ بستہ ہوا کے جھونکے خنکی بڑھا رہے تھے۔ شام کا منظر دلکش ترین ہوگیا تھا۔ وہ کب سے ٹیرس پر کھڑی بارش کو دیکھ رہی تھی' اس کا دل کررہا تھا باہر جاکر کھڑی ہوجائے۔ اندر کے جوار بھاٹے کی تپش اسے سرتاپا لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ رات بھی جب وہ دیر تک باہر لان میں بیٹھی رہی تھی تب شاہ میر اسے کھینچ کر اندر لے آیا تھا' اب پھر بھیگنے کی خواہش سر ابھار رہی تھی۔ دسمبر میں نہ جانے کیوں اداسی گھر گھر کرآتی تھی' اسے ہمیشہ سے دسمبر کی شامیں اٹریکٹ کرتی تھیں۔ سردیاں ہمیشہ سے اس کی فیورٹ رہی تھیں اور خاص کر دسمبر کا کہر زدہ ماحول' بھیگی بھیگی شامیں' دھندلی شامیں عجب سوگ میں رچی لگتی تھیں اور اب وہ جس مخمصے کا شکار تھی ایسے میں ہر چیز افسردہ نظر آرہی تھی۔

اس نے بے اختیاری میں تھوڑا آگے ہوکر دونوں ہتھیلیاں پھیلادیں۔ یخ پانی کے قطرے اندر تک سکون اتار گئے' اس کا چہرہ بھی پھوار سے گیلا ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی کپکپی چھوٹی تو احساس ہوا کہ ٹھنڈ بڑھ گئی ہے۔ ہونٹ بھینچتی وہ جیسے ہی پلٹی شاہ میر سے ٹکرا گئی۔

''اپنی تیمارداری کروانے کا زیادہ ہی شوق ہے آپ کو۔'' اسے دونوں بازوؤں سے تھامتے وہ طنز سے گویا ہوا۔ وہ یک دم ٹپٹائی مگر پھر سنبھل گئی اس نے جونہی انگلی بڑھا کر چہرے کے پانی کو چھونا چاہا وہ جھٹکے سے دور ہوگئی۔

''یہاں کسی فلم کا چیپ سین شوٹ نہیں ہورہا۔'' دانت پیستے وہ تڑخی۔

''ہاہاہا......'' اس کا چھت پھاڑ قہقہہ بلند ہوا۔

''فلم تو ہے مگر روکھی پھیکی سی' ہونہہ......'' اس نے سر جھٹکا۔

''ساری جرسی گیلی ہوگئی ہے جاکر کپڑے بدل لیں یہ نہ ہو آج رات آپ میرے رحم وکرم پر ہوں پھر مجھ سے کیا بعید کب ضبط بھول جاؤں کیونکہ آپ کے خیال میں

بہت بدتمیز ہوں اور بدتمیزوں سے کوئی بھی توقع کی جاسکتی ہے ناں۔'' اس کا اشارہ اس کے بیمار ہونے پر تھا' معنی خیزی سے ہنستا وہ اس پل اسے زہر لگا پاؤں پٹختی وہ واک آؤٹ کرگئی۔

وہ اس وقت نیند میں تھی جب دھڑ ادھڑ دروازہ بجنے کی آواز آئی' ادھ کھلی آنکھوں سے گرتی پڑتی وہ بمشکل دروازے تک پہنچی۔ دروازہ کھولتے ہی اس کا ہاتھ کسی نے تھاما تھا اور وہ اسی کے سہارے چلتی گئی تھی۔ گھپ اندھیرے میں اس نے اسے لاکھڑا کیا تھا' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتی وہ اور بھی زیادہ چکرانے لگی۔ نیند میں اسے کچھ سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا ہورہا ہے۔ اچانک کمرہ روشن ہوا تھا تو اس کی آنکھیں کھلی تھیں' انتہائی خوب صورت چاکلیٹ کیک پر اس کا نام سجا تھا اور کیک پر جلتی موم بتیاں روشن ہورہی تھیں۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' اس نے اپنے شانوں پر نرم سا دباؤ محسوس کیا تھا' سرگوشی میں ڈھلی آواز یکبارگی اس کی دھڑکنیں منتشر کرگئی' وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہی۔

اس نے یوں ہی اس کے پیچھے کھڑے ہوکر حصار باندھتے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھاما اور چھری پکڑادی۔ میکانکی انداز میں کیک پر چھری چلی اور ایک بار پھر اس کی سرگوشی ابھری تھی۔

''27 دسمبر جتنا حسین دن کوئی ہو ہی نہیں سکتا' اس دن میری محسن' میری زیست اور میری رہنما اس کائنات میں جلوہ افروز ہوئی۔'' بارہ بج کر ایک منٹ پر وہ اسے کمرے سے لایا تھا' اب بارہ بج کر پانچ منٹ ہوگئے تھے۔

''اب آپ کھلائیں گی یا یہ زحمت بھی میں ہی کروں۔'' اس کی آواز گونجی تو وہ ہوش میں آئی' خاموشی سے کیک کا ٹکڑا نکال کر اس نے ہاتھ میں لیا اب کشمکش میں تھی کہ منہ میں کیسے دے۔ یہ الجھن بھی شاہ میر نے ختم کی' خود ہی جھک کر اس نے اس کا ہاتھ آگے کیا اور اپنے منہ میں کیک کا پیس رکھ لیا پھر اسی پیس کو اس کے منہ میں دیا' اس نے پاس پڑا ٹشو اٹھالیا۔

''گفٹ نہیں لیں گی اپنا۔'' شاہ تاج نے ایک پل اسے دیکھا اور پھر نظریں پھیرلیں۔

''کم از کم آج تو خفگی ختم کردیں۔ اس رشتے کے علاوہ بھی ہمارے دور رشتے ہیں' میں کزن ہوں آپ کا اور دوست بھی۔'' وہ اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اگر یہی دو رشتے ہمارے بیچ رہتے تو بہت اچھا ہوتا۔''

''تیسرے رشتے کی گنجائش بابا سائیں نے نکالی تھی اور اسے نبھانا ہم نے ہے۔'' وہ بھی اس کے انداز میں بولا۔

''نبھا تو رہے ہیں ہم اور کیسے نبھاتے ہیں اس سے زیادہ کی توقع سوائے حماقت کے اور کچھ نہیں۔'' وہ ہاتھ باندھتے ہوئے بولی۔

''ہاں دنیا میں جتنے بھی ازدواجی رشتے ہیں سوائے ہمارے احمق ہیں اور احمقوں کی زندگی گزار رہے ہیں۔'' اس نے طنز کیا۔

''ان کی بات اور ہے۔''

''کیوں ان کی بات اور کیوں ہے؟ کیا وہ انسان نہیں ہیں یا ان کے سر پر سینگ ہیں۔ محض عمروں کا تضاد ہے اور یہ اکثر وہاں بھی ہوجاتا ہے جہاں رسم ورواج نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ ہر خوشی خود پر حرام کرلیں۔'' وہ آج بحث کے موڈ میں تھا۔

''کسی کے لیے یہ بات اہمیت رکھتی ہو یا نہیں لیکن میرے لیے بہت رکھتی ہے' ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنی جو میچور ہی نہ ہو۔''

''میں میچور نہیں ہوں کیا' گلی ڈنڈا کھیلتا ہوں یا پتنگیں اڑانے جاتا ہوں۔'' اسے تھوڑا غصہ آگیا اس بات پر۔

''بائیس سال کا ہوگیا ہوں' شعور ہے مجھے۔ آپ چند سال بڑی کیا ہوگئیں اماں والا ہی رویہ رکھنا شروع کردیا' جب مجھے کوئی ایشو نہیں ہے تو آپ کیوں مسئلہ بنائے کھڑی ہیں۔ تنگ آگیا ہوں میں آپ کی اس بات سے' کیا بیویاں بڑی نہیں ہوتیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کی عمروں کے بیچ پورے پندرہ سال کا فرق

تھا اور ایک کامیاب و آسودہ ازدواجی زندگی تھی اس سے بڑی آپ کس دلیل کو رد کریں گی۔ پیار و محبت اور ہم آہنگی سے رشتے برقرار رہتے ہیں نہ کہ اگر شوہر بڑا ہو اور بیوی چھوٹی تب چلتے ہیں یہ ضروری نہیں ہے۔'' وہ آج اس کی ہر بات کے جواب میں لاجواب کر رہا تھا۔

''مجھے اس رشتے کے حوالے سے آپ کا ترس یا ہمدردی نہیں چاہیے۔ میں نے آپ کی خدمت کی تو مجھے آپ اس کا صلہ دینا چاہتے ہیں۔'' وہ اپنے اندر کی بات نکال لائی۔

''کیا...... یعنی آپ یہ سمجھتی ہیں میرے خلوص کو آپ ترس یا ہمدردی سے مشروط کر رہی ہیں' واہ خوب۔ میں نے آپ سے محبت کی ہے بنا کسی مطلب کے یا ترس کے۔ میں اس لیے آپ سے محبت نہیں کرتا کہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے یا میری خدمت کی...... آپ میری محسن ضرور ہیں مگر میری محبت اور جذبے ہر غرض سے پاک ہیں۔''

''چلیں مانا میں مجبور نہیں ہوں مگر آپ تو مجبور ہیں کیا آپ کو پھر بھی سمجھ نہیں آتا کہ بناوٹی باتوں اور حقیقت پر مبنی باتوں میں کیا فرق ہوتا ہے۔'' وہ بہت ہرٹ ہوا تھا اسے اندازہ بھی نہیں تھا وہ اس طریقے سے سوچتی ہے' شاہ تاج چپ ہو کر رہ گئی وہ کہہ کر جا چکا تھا۔

اگلے دن بالکل غیر متوقع بھابی کی آمد ہوئی تھی' وہ تو جیسے کھل اٹھی تھی۔ شاہ ریز کو اٹھائے اٹھائے گھوم رہی تھی جبکہ شاہ میر کل سے ہی چپ تھا' انتہائی سیریس انداز میں وہ بھابی سے ملا تھا۔ رات کے کھانے سے فراغت کے بعد انہوں نے اسے گھیر لیا۔

''یہ ہو کیا رہا ہے تم دونوں کے بیچ' مشرق اور مغرب بنے ہوئے ہو تم دونوں۔''

''اسی سے پوچھیں جس نے یہ سب کری ایٹ کیا ہے۔'' وہ تھوڑا خفگی سے بولی۔

''میں جانتی ہوں قصور تمہارا ہی ہوگا' تم نے ہی کوئی ایسی دل جلانے والی بات کی ہوگی اس نے تو ہمیشہ سیز فائر

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ نئے افق کراچی

لفظ لفظ مہکتا سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی

شائع ہو گیا ہے

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

بی ہیو ہی اپنایا ہے۔" وہ اس کی حمایت میں بولیں۔

"واہ یہ اچھی کہی آپ نے۔" وہ بڑبڑائی۔

"شاہ تاج چندا...... میری بات سنو بہت کم زندگی میں لوگ ایسے آتے ہیں جو ہمیں اپنی زندگی میں اپنی زندگی سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ رشتوں کے خلوص کو پرکھنا سیکھو ورنہ وقت کا چابک ایسی چوٹ مارے گا کہ بلبلاتے ہوئے درد کو سہہ بھی نہ پاؤ گی۔ اللہ کا شکر ادا کرو کسی کی چاہ بن رہی ہو بلکہ کسی کی نہیں اپنے شوہر کی اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہوگی پاگل لڑکی اب جاؤ اور اسے جا کر مناؤ کھانا بھی نہیں کھایا ٹھیک سے اس نے۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"میں اسے مناؤں......!"

"تو اور کیا دو چار مہمان آئیں گے منانے۔" اس کے سوالیہ انداز پر وہ طنز سے بولیں۔

"کیسے مناتے ہیں بھابی؟" اس کی اس معصومیت پر انہیں زور سے ہنسی آ گئی۔

"تو میں نے کون سا کبھی کسی کو منایا ہے جو مجھے پتا ہوگا۔" وہ پریشان ہو رہی تھی۔

"مناؤ گی تو پتا چلے گا۔ سوری اس معاملے میں کوئی ہیلپ نہیں مل سکتی۔" انہوں نے صاف ہاتھ اٹھائے وہ منہ بناتی وہاں سے چلی گئی۔

پورا گھر چھاننے کے بعد وہ لان میں آسمان کے تارے گنتا نظر آیا' وہ انگلیاں مروڑتی پاس آئی' اس نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا مگر کچھ نہ بولا وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر آخر تنگ آ کر اس نے جلدی سے "سوری" کا لفظ ادا کر دیا۔ اس نے حیرانی کے جھٹکے سے نظریں اس پر جمائی تھیں جو نیچے سر کیے نادم نظر آ رہی تھی۔

"وہ میں نے...... وہ جو ترس والی بات کی تھی اس کے لیے......" وہ جلدی سے بولی۔

"بس صرف اس کے لیے؟" ایک اور سوال ہوا۔

"نہیں مطلب ہر بات کے لیے سوری جو بھی میں نے کہا۔" اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔

"ہمم...... اگر آپ کو یہاں بھابی نے بھیجا ہے تو میں کوئی سوری ایکسپٹ نہیں کرنے والا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"میں اپنی مرضی سے آئی ہوں۔ ہاں وہ الگ بات ہے کہ میرے ارادے کو عملی جامہ پہنانے میں بھابی مددگار ثابت ہوئی ہیں۔" وہ اپنی صفائی میں بولی۔ "شاہ میر...... آپ اب بھی مجھ سے خفا ہیں۔" وہ مضطرب سی پوچھ رہی تھی اور شاہ میر اس انداز پر بے ہوش ہونے لگا تھا۔

"تم سے آپ یعنی تبدیلی آئی نہیں تبدیلی آ چکی ہے۔"

"کیا میرا حق نہیں ہے آپ سے ناراض ہونے کا؟" وہ الٹا سوال کرنے لگا۔

"ہاں بنتا ہے میں نے بہت ہرٹ کیا ہے آپ کو اپنی باتوں سے اپنے لہجے سے۔ میں مجبور تھی میں خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ میں کیا چاہتی ہوں جو غم و غصہ نکاح کے وقت تھا وہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا گویا وہ بھی نکاح میں ہی آ گیا تھا۔ یہ بے جوڑ رشتہ مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا اور پھر جب سے آپ نے یہ سب شروع کیا تو مجھے لگا آپ میری ریاضتوں کا معاوضہ اپنے ساتھ کی صورت میں دینا چاہ رہے ہیں اور میں یہ زیادتی آپ کے ساتھ نہیں برداشت کر سکتی تھی کہ زبردستی اپنے سے اتنے سال بڑی لڑکی کو آپ جھیلیں مگر اس رات جب میں نے وہ سب کہا اور آپ کو برا لگا تو درحقیقت وہ مجھے بھی برا لگا تھا جب بعد میں سوچا تو ادراک ہوا کہ میں آپ کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہو رہی ہوں۔" وہ سر جھکائے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔

"دیر آید درست آید ہے ناں؟" اس نے تھوڑا جھک کر کہا تو وہ آنکھوں میں در آئی نمی کو پلک جھپک کر اندر اتارنے لگی۔

"یار پہلے ہی دسمبر اتنا سرد اور نم ہو رہا ہے آپ اور تو نمی نہ پھیلائیں۔" وہ ہنس پڑی۔ ہنسنے کے باعث بائیں آنکھ کا آنسو پھسل کے گال پر آ گرا جسے اس نے سرعت سے صاف کر لیا۔

"جانتی ہو آج کے دن کیا ہوا تھا؟" وہ اس کے گرد بازو حمائل کر کے اسے اپنے حصار میں لیتے ہوئے بولا۔ اس کا سر نفی میں ہلا۔ "پچھلے سات سال سے یہ دن ہماری زندگی میں آ رہا ہے اور میں اسے اکیلا ہی سیلیبریٹ بھی کرتا رہا ہوں مگر آپ کو بنا بتائے اس دن ہر سال میں آپ کو گفٹ بھی دیتا تھا اور منہ بھی میٹھا کرواتا تھا مگر بہانے سے اصل مقصد بتائے بنا۔" اس نے کندھے اچکائے تھے کیونکہ اسے تو پتا ہی نہ تھا۔

"آج ہماری شادی کی سالگرہ ہے 28 دسمبر ہے آج۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تو پھر آج تو اسپیشل والا گفٹ بنتا ہے ناں۔" شاہ میر کی بات پر وہ یک دم جھینپی۔

"کب سے چاند کو دیکھ رہی ہیں میری طرف بھی دیکھ لیں اتنا بھی سوہنا نہیں ہے وہ۔" اس کی خاموشی پر وہ گویا ہوا۔

"اچھا چلیں یہ بھی کر لیتے ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی مگر زیادہ دیر نہ دیکھ پائی۔ اس قدر گہری بولتی آنکھیں جو اس کے حواس مختل کر گئیں وہ فوراً نظریں پھیر گئی۔

"مجھے دسمبر بہت پسند ہے ہر سال میں اس ماہ کا انتظار کرتا ہوں آپ کی وجہ سے میری زندگی کے بہت خاص دن اسی ماہ میں آتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے پُرحدت ہاتھ میں تھام کر بولا۔

"مجھے بھی بے حد پسند ہے دسمبر مگر اب دسمبر کے ساتھ ساتھ نومبر بھی پسند ہے۔" "وہ کیوں؟" شاہ میر نے پوچھا۔

"آپ کی برتھ ڈے نہیں ہوتی کیا۔" اس جواب پر اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"ٹھنڈ بڑھ رہی ہے اندر چلیں۔" شاہ تاج نے کہا۔

"نہیں ابھی گیارہ بجے ہیں ابھی تو دسمبر کا چاند اپنی جوبن پر آیا ہے ٹھہر کر چلیں گے۔"

"مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے اپنی کھڑکی سے دیکھ لیجیے یہ نظارہ۔" وہ ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے بولی۔

"اچھا اور جب آدھی آدھی رات کو اسی دسمبر میں باہر لان میں پائی جاتی تھیں تب سردی نہیں لگتی تھی۔"

"وہ تو شوق کا کوئی مول نہیں کے مصداق آ جاتی ہے اب تو مجھے نیند آ رہی ہے سونا ہے مجھے۔"

"اوکے چلیں مادام چلتے ہیں۔" وہ سرخم کر کے بولا تو اس کی ہمراہی میں اس نے قدم آگے بڑھائے۔

"یہ کہاں جا رہے ہیں آپ۔" اسے اپنے کمرے کی جانب جاتے ہوئے دیکھ کر گویا ہوا۔

"اپنے کمرے میں۔" جواب آیا۔

"اب اپنا اپنا نہیں ہمارا کمرا ہوگا۔" وہ "ہمارا" پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اوں ہوں جب تک آپ کا لاسٹ سمسٹر اینڈ نہیں ہو جاتا تب تک اپنا اپنا چلے گا اس وقت کے لیے ٹاٹا بائے گڈ نائٹ۔" مسکراہٹ اچھالتی وہ کمرے میں گھس گئی۔ پیچھے شاہ میر بھی اس کے ٹھینگا دکھانے والے انداز پر دلکشی سے مسکرا دیا۔

بلاشبہ سچے رشتوں کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا خائف تو وہ بھی ہوا تھا اس رشتے۔ وہ بھی ان فرسودہ روایات کے زبردست خلاف تھا مگر محبت کے کیوپڈ نے اس کی زندگی چمن کر دی تھی۔ وہ اللہ کا بے حد شکر گزار تھا کہ فیصلہ اس وقت غلط تھا مگر وقت نے اسے خوش قسمتی سے صحیح ثابت کر دیا تھا ورنہ دو سال کی لڑکی کو تیس سال کے مرد اور چالیس سال کی عورت کو پانچ سال کے بچے سے نتھی کرنے کا رواج پرانا اور پختہ تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ دونوں آنے والی نسل کے لیے اسٹینڈ لیں گے اور اس روایت کو ہمیشہ کے لیے اپنے خاندان سے نکال باہر کریں گے۔